دل مردہ سوسائٹی کے لیے کچھ کم ضروری نہیں ہے۔ اسکے سوا ہر قوم میں عموماً، اور گری ہوئی قوموں میں خصوصاً، ایسے عالی فطرت انسان شاذ و نادر پیدا ہوتے ہیں جنکی ذات سے (اگرچہ قوم کو براہ راست کوئی معتدبہ فائدہ نہ پہنچا ہو) لیکن کسی علم یا صناعت یا لٹریچر میں کوئی حقیقی اضافہ کم و بیش ظہور میں آیا ہو؛ اور سلف کے ذخیرے میں کچھ نیا سرمایہ شامل ہوا ہو۔ ایسے لوگوں کی لائف پر غور کرنا، انکے ورکس میں چھان بین کرنی، اور انکے نوادر افکار سے مستفید ہونا، قوم کے ان فرائض میں سے ہے جن سے غافل رہنا قوم کے لیے نہایت افسوس کی بات ہے۔ جیسا کہ خود مرزا ایک جگہ لکھتے ہیں "حیف کہ ابنای روزگار حسنِ گفتارِ مرا نشناختند۔ مرا خود دل بر آناں می سوزد کہ کامیابِ شناسائی فرّۂ ایزدی نگشتند؛ و از ین نمایشہای نظر فروز۔ کہ در نظم و نثر بکار بردہ ام۔ سرگراں گذشتند۔"

---



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# آغاز کتاب

ولادت

خاندان

میرزا اسد اللہ خان **غالب** المعروف بہ میرزا نوشہ، المخاطب بہ نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ، المتخلص بہ غالب در فارسی و اسد در ریختہ؛ شب ہشتم ماہ رجب سنہ ۱۲۱۲ ہجری کو شہر آگرہ میں پیدا ہوے۔ مرزا کے خاندان اور اصل و گوہر کا حال۔ جیسا کہ اُنھوں نے اپنی تحریروں میں جا بجا ظاہر کیا ہے۔ یہ ہے کہ اُنکے آبا و اجداد ایبک قوم کے ترک تھے؛ اور اُن کا سلسلۂ نسب تور ابن فریدوں تک پہنچتا ہے۔ جب کیانی تمام ایران و توران پر مسلط ہو گئے، اور تورانیوں کا جاہ و جلال دنیا سے رخصت ہو گیا؛ تو ایک مدتِ دراز تک تور کی نسل ملک و دولت سے بے نصیب رہی۔ مگر تلوار کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹی؛ کیونکہ ترکوں میں قدیم سے یہ قاعدہ چلا آتا تھا کہ باپ کے متروکہ میں سے بیٹے کو تلوار کے سوا اور کچھ نہ ملتا تھا؛ اور کل مال و اسباب اور گھر بار بیٹی کے حصے میں آتا تھا۔ بارے ایک مدت کے بعد اسلام کے عہد میں اسی تلوار کی بدولت ترکوں کے بختِ خفتہ نے پھر کروٹ بدلی؛

اور سلجوقی خاندان میں ایک زبردست سلطنت کی بنیاد قائم ہوگئی . کئی سو برس وہ تمام ایران و توران و شام و روم (یعنی ایشیائے کوچک) پر حکمراں رہے . آخر ایک مدت کے بعد سلجوقیوں کی سلطنت کا خاتمہ ہوا ؛ اور سلجوق کی اولاد جابجا منتشر و پراگندہ ہوگئی . انھیں میں سے ترسم خاں نام ایک میرزادے نے سمرقند میں بود و باش اختیار کرلی تھی . مرزا کے دادا جو شاہ عالم کے زمانے میں سمرقند سے ہندوستان میں آئے وہ اسی ترسم خاں کی اولاد میں تھے . مرزا مہر نیمروز کے دیباچے میں لکھتے ہیں " از واپسیان این قافلہ نیائے من کہ در قلمرو ماوراء النہر سمرقند شہر مسقط الراس وے بود چون سیل کہ از بالا بپستی آید از سمرقند بہند آمد " اور درفش کاویانی میں اسطرح لکھا ہے " بالجملہ سلجوقیان بعد زوال دولت و برہم خوردن ہنگامۂ سلطنت در اقلیم وسیع الفضای ماوراء النہر پراگندہ شدند . ازان جملہ سلطان زادہ ترسم خاں کہ ما از تخمۂ اوئیم سمرقند را بہر اقامت گزید . تا در عہد سلطنت شاہ عالم نیائے من از سمرقند بہندوستان آمد " مرزا کے دادا کی زبان بالکل ترکی تھی ؛ اور ہندوستان کی زبان بہت کم سمجھتے تھے . اُس زمانے میں ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں شاہ عالم کے دربار میں دخل کلی رکھتے تھے . نجف خاں نے مرزا کے دادا کو سلطنت کی حیثیت کے مواقف ایک عمدہ منصب دلوا دیا اور پہاسو کا سیر حاصل پرگنہ ذات اور رسالے کی تنخواہ میں مقرر کر دیا . اُنکے کئی بیٹے تھے جنمیں سے دو کے نام معلوم ہیں : ایک مرزا کے باپ **عبداللہ بیگ خاں** عرف میرزا دولھا اور دوسرے **نصراللہ بیگ خاں** . عبداللہ بیگ خاں کی شادی **خواجہ غلام حسین خاں** کمیدان کی بیٹی سے ہوئی تھی ؛ جو کہ سرکار* میرٹھ کے ایک معزز فوجی افسر اور عمائد شہر آگرہ میں سے تھے . مرزا عبداللہ بیگ خاں نے بطور خانہ داماد کے اپنی

* سرکار بالکل اس معنے کر کے کہتے تھے جو صوبے کی نسبت چھوٹا اور پرگنہ و محال وغیرہ سے بہت بڑا ہوتا تھا .



تمام عمر سسرال میں بسر کی ؛ اور اُن کی اولاد نے بھی وہیں پرورش پائی . مرزا عبداللہ بیگ خاں کے دو بیٹے ہوئے ؛ ایک **مرزا اسداللہ خاں** ؛ اور دوسرے **میرزا یوسف خاں** . جو ایام شباب میں مجنون ہوگئے تھے اور اُسی حالت میں ١٢٧٣ء میں انتقال کیا .

مرزا کے والد عبداللہ بیگ خاں . جیسا کہ مرزا نے خود ایک خط میں لکھا ہے . اوّل لکھنؤ میں جاکر نواب آصف الدولہ کے ہاں نوکر ہوئے ؛ اور چند روز بعد وہاں سے حیدرآباد پہونچے ؛ اور سرکار آصفی میں تین سو سوار کی جمعیت سے کئی برس تک ملازم رہے . مگر وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی ؛ اور وہ واپس آگرے میں چلے آئے . یہاں آکر اُنھوں نے الور کا قصد کیا . راجہ بختاور سنگھ نے ابھی اُنکو کوئی خاطر خواہ نوکری نہیں دی تھی کہ اتفاق سے اُنھیں دنوں میں ایک گڑھی کے زمیندار راج سے پھر گئے . جو فوج اُس گڑھی پر سرکوبی کے لیے بھیجی گئی اُسکے ساتھ مرزا عبداللہ بیگ خاں کو بھی بھیجا گیا تھا . وہاں پہنچتے ہی اُن کے گولی لگی اور وہیں اُنکا انتقال ہوگیا ؛ اور راج گڑھ میں دفن ہوئے . راجہ بختاور سنگھ رئیس الور نے دو گانو سیر حاصل اور کسی قدر روزینہ مرزا مرحوم کے دو نو لڑکوں کی پرورش کے واسطے مقرر کر دیا ؛ جو ایک مدت دراز تک جاری رہا . مرزا کے والد کی وفات کے بعد اُنکے چچا نصراللہ بیگ خاں نے اُنکو پرورش کیا .

جب سرکار انگریزی کی عملداری ہندوستان میں اچھی طرح قائم ہوگئی ، اور نواب فخرالدولہ احمد بخش خاں

* مرزا نے جو قصیدہ راجہ شیو دھیان سنگھ کی مدح میں لکھا ہے اسمیں لکھتے ہیں

در بستہ گشتہ ام چو کہ حضور ⁂ نگیں سخن ہرازم در پرینۂ خورم ⁂ دارم گوش حلقۂ زیبندہ ہشت سال ⁂ اکنوں کہ عمر شصت و سہ سال ست شمار ⁂

بابم شہید رزم گاہ میان بارگاہ ⁂ باید شناخت تحفۂ زیران آں دیار ⁂ کافی بود مشاہدہ شاہد عزور بیست ⁂ در خاک راج گڑھ پدرم را بود مزار

لارڈ لیک کے لشکر میں شامل ہوئے؛ تو انھوں نے مرزا غالب کے چچا نصر اللہ بیگ خاں کو، جن سے نواب موصوف کی ہمشیر منسوب تھیں، سرکاری فوج میں بعہدۂ رسالداری ملازم کرا دیا۔ اُن کی ذات اور رسالے کی تنخواہ میں دو پرگنے یعنی سونک اور سونسا، جو نواح آگرہ میں واقع ہیں، سرکار سے اُن کے نام پر مقرر ہوگئے۔ جب تک وہ زندہ رہے دونوں پرگنے اُن کے نامزد رہے؛ اور اُنکی وفات کے بعد اُنکے وارثوں اور متعلقوں کی پنشنیں سرکار نے فیروزپور جھرکہ کی ریاست سے مقرر کرا دیں جس میں سے سات سو روپیہ سالانہ مرزا کو آخر اپریل ۱۸۵۷ء تک برابر ملتا رہا۔ مگر فتح دہلی کے بعد تین برس تک قلعے کے تعلقات کے سبب یہ پنشن بند رہی۔ آخر جب مرزا کی ہر طرح سے بریت ہوگئی تو پنشن پھر جاری ہوگئی؛ اور تین برس کی واصلات بھی سرکار نے عنایت کی۔ جب تک پنشن بند رہی مرزا کے دوستوں کو نہایت تعلق خاطر رہا۔

لطیفہ

اکثر لوگ پنشن کا حال دریافت کرنے کو خط بھیجتے تھے۔ ایک دفعہ میر مہدی نے اسی مضمون کا خط بھیجا تھا؛ اسکے جواب میں مرزا صاحب لکھتے ہیں "میاں بے رزق جینے کا ڈھب مجھکو آگیا ہے؛ اس طرف سے خاطر جمع رکھنا۔ رمضان کا مہینہ روزے کھا کھا کر کاٹا۔ آگے خدا رزاق ہے؛ کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہے"۔

مرزا نے اپنے علو خاندان پر جا بجا فارسی اشعار میں فخر کیا ہے چونکہ اُن میں سے بعض اشعار لطف سے خالی نہیں اسلیے اس مقام پر نقل کیے جاتے ہیں۔ قطعہ

غالب از خاکِ پاکِ تورانیم — لاجرم در نسب فرہ مندیم
ترک زادیم و در نژاد ہمے — بہ سترگانِ قوم پیوندیم
ایبکیم+ از جماعۂ اتراک — در تمامی ز ماہ دہ چندیم

+ ایبک ترکی لفظ ہے مرکب آئے اور بک سے۔ آئے چاند کو اور بک کامل اور بزرگ کو کہتے ہیں پس ایبک کے معنی ماہ تمام و بزرگ کے ہیں۔ اسی لئے مرزا نے کہا ہے اور در تمامی ز ماہ دہ چندیم"۔



فنِ آبائے ما کشاورزیست — مرزبان زادۂ سمرقندیم
ورز معنی سخن گزار دۂ — خود چہ گوئیم تا چہ و چندیم
فیضِ حق را کمینہ شاگردیم — عقلِ کل را بہینہ فرزندیم
ہم بہ تابش بہ برق ہمنفسیم — ہم بہ بخشش بہ ابر مانندیم
بہ تلاشے کہ ہست فیروزیم — بمعاشے کہ نیست خرسندیم
ہمہ بر خویشتن ہمے گرییم — ہمہ بر روزگار می خندیم

## قطعہ

ساقی! چو من پشنگی** و افراسیابیم — دانی کہ اصل گوہرم از دودہ جم ست
میراثِ جم کہ مے بود اکنون بمن سپار — زین پس رسد بہشت کہ میراث آدم ست

## رباعی

غالب بہ گہر ز دودۂ زادشمم* — زان رو بصفای دم تیغست دمم
چون رفت سپہدی زدم چنگ بشعر — شد تیر شکستۂ نیاگاں قلمم

تعلیم

مرزا غالب مع اپنے چھوٹے بھائی کے سنِ شعور تک آگرے ہی میں رہے؛ اگرچہ سات برس کی عمر سے وہ دلی میں آنے جانے لگے تھے لیکن شادی کے بعد تک اُنکی مستقل سکونت آگرے ہی میں رہی اور شیخ معظم جو اس زمانے میں آگرے کے نامی معلموں میں سے تھے اُن سے تعلیم پاتے رہے۔ اُسکے بعد ایک شخص پارسی نژاد جسکا نام آتش پرستی کے زمانے میں ہُرمُزد تھا اور بعد مسلمان ہونے کے

** پشنگ افراسیاب کے باپ کا نام ہے۔ * زادشم افراسیاب کے دادا اور پشنگ کے باپ کا نام ہے

عبد الصمد رکھا گیا ؛ غالباً آگرے میں سیاحانہ وارد ہوا ؛ جو کہ دو برس تک مرزا پاس اول آگرے میں اور پھر دلی میں مقیم رہا ؛ میرزا نے اس سے فارسی زبان میں کسی قدر بصیرت پیدا کی۔ اگرچہ کبھی کبھی مرزا کی زبان سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ "مجھکو مبدأ فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے ؛ اور عبد الصمد محض ایک فرضی نام ہے۔ چونکہ مجھکو لوگ بے استاد کہتے تھے ان کا منھ بند کرنے کو میں نے ایک فرضی استاد گھڑ لیا ہے "، مگر اس میں شک نہیں کہ عبد الصمد فی الواقع ایک پارسی نژاد آدمی تھا اور مرزا نے اس سے کم و بیش فارسی زبان سیکھی تھی۔ چنانچہ مرزا نے جا بجا اسکے تلمذ پر اپنی تحریروں میں فخر کیا ہے اور اسکو بلفظِ ہمسار جو پارسیوں کے ہاں نہایت تعظیم کا لفظ ہے یاد کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ مرزا نے اپنی بعض تحریروں میں تصریح کی ہے۔ مرزا کی چودہ برس کی عمر تھی جب عبد الصمد ان کے مکان پر وارد ہوا ہے اور کل دو برس اسنے وہاں قیام کیا۔ پس جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مرزا کو کس عمر میں اسکی صحبت میسر آئی، اور کس قدر قلیل مدت اسکی صحبت میں گذری ؛ تو عبد الصمد اور اسکی تعلیم کا عدم و وجود برابر ہو جاتا ہے۔ اس لیے مرزا کا یہ کہنا کچھ غلط نہیں ہے کہ مجھکو مبدأ فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے۔

ایک جگہ مرزا نے مبدأ فیاض سے مستفید ہونے کا مضمون نہایت عمدگی سے باندھا ہے اور وہ شعر یہ ہے

انچہ در مبدأ فیاض بود آنِ من ست — گل جدا نا شدہ از شاخ بدامانِ من ست

ایک اور مقام پر اس سے بھی عمدہ طریقے سے یہ مطلب ادا کیا ہے ! وہ کہتے ہیں

با خذِ فیض ز مبدأ فزونم از اسلاف — کہ بودہ ام قدرے دیر تر دراں درگاہ



ظہورِ من بجہاں در ہزار و بست و دو نیست* — ظہور خسرو و سعدی بشش صد و پنجاہ

ملا عبد الصمد علاوہ فارسی زبان کے جو اسکی مادری زبان اور اسکی قوم کی مذہبی زبان تھی۔ عربی زبان کا بھی۔ جیسا کہ مرزا نے لکھا ہے۔ بہت بڑا فاضل تھا۔ اگرچہ مرزا کو اسکی صحبت بہت کم میسر آئی ؛ مگر مرزا جیسے جوہر قابل کو صغر سن میں ایسے شفیق، کامل، اور جامع اللسانین استاد کا مل جانا ان نوادر اتفاقات میں سے تھا جو بہت کم واقع ہوتے ہیں۔ اگرچہ مرزا کو اس سے زیادہ مستفید ہونے کا موقع نہیں ملا ؛ مگر اسکے فیضِ صحبت نے کم سے کم وہ ملکہ ضرور مرزا میں پیدا کر دیا تھا جسکی نسبت کہا گیا ہے کہ "اگر حاصل شود خواندہ و ناخواندہ برابر ست ؛ و اگر حاصل نشود ہم خواندہ و ناخواندہ برابر"، معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کی حسنِ قابلیت اور حسنِ استعداد نے ملا عبد الصمد کے دل پر گہرا نقش بٹھا دیا تھا کہ یہاں سے چلے جانے کے بعد بھی وہ مدت تک مرزا کو نہیں بھولا۔ نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کہتے تھے کہ ملا کے ایک خط میں جو اسنے مرزا کو کسی دوسرے ملک سے بھیجا تھا یہ فقرہ لکھا تھا "اے عزیز چہ کسی ؟ کہ با این ہمہ آزادیہا گاہ گاہ بخاطرمے گذری"، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ دو برس کے قلیل عرصے میں وہ مرزا کو سکھا سکتا تھا اسمیں ہرگز مضایقہ نہ کیا ہوگا اور جیسا کہ قاطع برہان اور درفشِ کاویانی کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے اسنے تمام فارسی زبان کے مقدم اصول اور گر اور پارسیوں کے مذہبی خیالات اور اسرار جنکو فارسی زبان کے سمجھنے میں بہت بڑا دخل ہے اور پارسی و سنسکرت کا متحد الاصل ہونا اور اسی قسم کی اور ضروری باتیں مرزا کے دل میں بوجہ احسن تہ نشین کر دی تھیں۔

* دو نیست یعنی دو صد۔ اہل زبان اکثر دو کے لفظ کے ساتھ بجاے صد کے نیست کا لفظ استعمال کرتے ہیں ۱۲

چونکہ مرزا کے چچا کا رشتہ نواب فخر الدولہ کے خاندان میں ہو چکا تھا اور اس لئے اُنکے خاندان سے ایک نوع کا تعلّق پیدا ہو گیا تھا؛ مرزا کی شادی نواب فخر الدولہ کے چھوٹے بھائی مرزا الٰہی بخش خاں معروف کے ہاں قرار پائی۔ اور۔ جیسا کہ مرزا نے ایک رقعہ میں اشارہ کیا ہے۔ تیرہ برس کی عمر میں ۷۔ رجب ۱۲۲۵ ہجری۔ کو اُن کا عقد ہو گیا۔ اس تقریب سے اُن کی آمد و رفت دِلّی میں زیادہ ہو گئی۔ اور آخر کار یہیں سکونت اختیار کر لی۔ اور اخیر عمر تک دلّی ہی میں رہے۔

مرزا کے نانا کی جاگیر میں متعدد دیہات اور آگرہ شہر میں بہت بڑی املاک تھی۔ وہ منشی شیو نرائن رئیسِ آگرہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں "میں کیا جانتا تھا کہ تم کون ہو۔ جب یہ جانا کہ تم ناظر بنسی دھر کے پوتے ہو تو معلوم ہوا کہ میرے فرزندِ دلبند ہو۔ اب تم کو مشفق و مکرم لکھوں تو گنہگار۔ تمکو ہمارے خاندان اور اپنے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم؟ مجھ سے سنو! تمہارے پردادا عہدِ نجف خاں میں میرے نانا صاحب مرحوم خواجہ غلام حسین خاں کے رفیق تھے۔ جب میرے نانا نے نوکری ترک کی، اور گھر بیٹھے، تو تمہارے پردادا نے بھی کمر کھولدی اور پھر کہیں نوکری نہ کی۔ یہ باتیں میرے ہوش سے پہلے کی ہیں۔ مگر جب میں جوان ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ منشی بنسی دھر۔ خاں صاحب کے ساتھ ہیں؛ اور انھوں نے جو کیتھم گانو اپنی جاگیر کا سرکار میں دعویٰ کیا ہے تو بنسی دھر اس امر کے منصرم ہیں؛ اور وکالت اور مختاری کرتے ہیں۔ میں اور وہ ہمعمر تھے۔ شاید منشی بنسی دھر مجھ سے ایک دو برس بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں۔ اُنیس بیس برس کی میری عمر اور ایسی ہی عمر اُن کی؛ باہم شطرنج اور اختلاط اور محبت؛ آدھی آدھی رات گذر جاتی تھی؛ چونکہ گھر اُن کا بہت دور نہ تھا اسواسطے جب چاہتے تھے چلے جاتے۔ بس ہمارے اور اُنکے مکان میں مچھیا رنڈی کا گھر



اور ہمارے دو کٹرے درمیان تھے۔ ہماری بڑی حویلی وہ ہے کہ جو اب لکھمی چند سیٹھ نے مول لی ہے۔ اسی کے دروازے کی سنگیں بارہ دری پر میری نشست تھی۔ اور پاس اُسکے ایک کھٹیا والی حویلی، اور سلیم شاہ کے تکیے کے پاس دوسری حویلی، اور کالے محل سے لگی ہوئی ایک اور حویلی، اور اُس سے آگے بڑھکر ایک کٹرا۔ کہ وہ گڈریوں والا مشہور تھا۔ اور ایک کٹرا کہ وہ کشمیرن والا کہلاتا تھا۔ اس کٹرے کے ایک کوٹھے پر میں پتنگ اُڑاتا تھا؛ اور راجہ بلوان سنگھ سے پتنگ لڑا کرتے تھے۔ واصل خاں نامے ایک سپاہی تمہارے دادا کا پیشدست رہتا تھا اور وہ کٹروں کا کرایہ اُگاہکر جمع کرواتا تھا۔ بھائی تم سنو تو سہی! تمہارا دادا بہت کچھ پیدا کر گیا۔ علاقے مول لیے تھے، اور زمینداره اپنا کر لیا تھا۔ دس بارہ ہزار روپئے کی سرکار کی مالگذاری کرتا تھا۔ آیا وہ سب کارخانے تمہارے ہاتھ آئے یا نہیں؟ اسکا حال از روے تفصیل جلد مجھکو لکھو" اس خط کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کے نانا کی آگرے میں ایک خاصی سرکار تھی جسکی بدولت اُنکے ملازم اور متوسلین دس دس بارہ بارہ ہزار کے مالگذار بن گئے تھے؛ اور مرزا کا بچپن اور عنفوانِ شباب بڑے اَللّے تلّلوں میں بسر ہوا تھا۔

اہلِ دہلی میں سے جن لوگوں نے مرزا کو جوانی میں دیکھا تھا اُن سے سُنا گیا ہے کہ عنفوانِ شباب میں وہ شہر کے نہایت حسین و خوش رو لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ اور بڑھاپے میں بھی۔ جبکہ راقم نے پہلی ہی بار اُن کو دیکھا ہے۔ حسانت اور خوبصورتی کے آثار اُن کے چہرے اور قد و قامت اور ڈیل ڈول سے نمایاں طور پر نظر آتے تھے۔ مگر اخیر عمر میں قلّتِ خوراک اور امراضِ دائمی کے سبب وہ نہایت نحیف و زار و نزار ہو گئے تھے۔ لیکن چونکہ ہاڑ بہت چکلا قد کشیدہ اور ہاتھ پانو زبردست تھے اس حالت میں بھی وہ ایک نو وارد تورانی معلوم ہوتے تھے۔

دلی میں اُنکے قیام کا زمانہ قریب پچاس برس کے معلوم ہوتا ہے۔ اِس تمام مدت میں انھوں نے غالباً یہاں کوئی مکان اپنے لئے نہیں خریدا۔ ہمیشہ کرایے کے مکانوں میں رہا کیے۔ یا ایک مدت تک میاں کالے صاحب کے مکان میں بغیر کرائے کے رہے تھے۔ جب ایک مکان سے جی اُکتایا اُسے چھوڑ کر دوسرا مکان لے لیا۔ مگر قاسم جان کی گلی یا حبش خاں کے پھاٹک یا اُسکے قریب جوار کے سوا کسی اور ضلع میں جاکر نہیں رہے۔ سب سے اخیر مکان جس میں اُن کا انتقال ہوا حکیم محمود خاں مرحوم کے دیوانخانے کے متصل مسجد کے عقب میں تھا جسکی نسبت وہ کہتے ہیں۔

مسجد کے زیرِ سایہ اِک گھر بنا لیا ہے　　　یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

جس طرح مرزا نے تمام عمر رہنے کے لیے مکان نہیں خریدا اِسیطرح مطالعے کے لیے بھی۔ باوجودیکہ ساری عمر تصنیف کے شغل میں گذری کبھی کوئی کتاب نہیں خریدی۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ ایک شخص کا یہی پیشہ تھا کہ کتاب فروشوں کی دکان سے لوگوں کو کرائے کی کتابیں لا دیا کرتا تھا؛ مرزا صاحب بھی ہمیشہ اُسی سے کرائے پر کتابیں منگواتے تھے اور مطالعے کے بعد واپس کر دیتے تھے۔

ظاہرا مرزا نے کوئی لمبا سفر کلکتے کے سوا نہیں کیا۔ اِسی سفر کی آمد و رفت میں وہ چند ماہ لکھنؤ اور بنارس میں بھی ٹھہرے تھے۔ کلکتے جانے کا سبب یہ تھا کہ جب مرزا کے چچا نصر اللہ بیگ خاں نے وفات پائی تھی اُس وقت مرزا کی عمر نو برس کی تھی اور اُن کے بھائی کی عمر سات برس کی تھی۔ نصر اللہ بیگ خاں کی وفات کے بعد اُن کے متعلقوں اور وارثوں کے لیے۔ جنمیں مرزا اور اُنکے بھائی بھی شریک تھے۔ جو پنشن گورنمنٹ نے ریاست فیروزپور جھرکہ پر محوّل کر دی تھی جبتک مرزا صغیر سن رہے جو کچھ وہاں سے ملتا رہا پاتے رہے۔ جب سن تمیز کو پہنچے اور شادی بھی ہو گئی۔



عالمِ شباب اور خانہ داری کی ضرورتیں بہت بڑھ گئیں اور گھر میں جو کچھ اثاثہ تھا وہ بھی چند روز میں سب خرچ ہو گیا؛ لاچار فکرِ معاش دامنگیر ہوئی۔ اول مرزا کو غلط یا صحیح یہ خیال پیدا ہوا کہ فیروزپور سے جس قدر پنشن ہمارے خاندان کے لیے گورنمنٹ نے مقرر کرائی تھی اُس قدر ہمکو نہیں ملتی۔ ضرورتوں نے سخت تنگ کر رکھا تھا؛ اِدھر قرضخواہوں کے تقاضے سے ناک میں دم آگیا تھا؛ اُدھر چھوٹے بھائی کو جنون ہو گیا؛ مرزا جیسے آزاد منش آدمی کے لیے یہ وقت نہایت سخت تھا؛ اُس کشمکش میں اُنکو اِسکے سوا اور کچھ نہ سوجھا کہ کلکتے پہونچکر سوپریم گورنمنٹ میں پنشن کی بابت استغاثہ پیش کریں۔ چنانچہ مرزا اُس حالت کی نسبت ایک خط میں لکھتے ہیں "ہنگامۂ دیوانگی برادر یک طرف، و غوغای دام خواہان یک سو؛ آشوبے پدید آمد کہ نفس راہِ لب، و نگاہ روزنۂ چشم فراموش کرد؛ و گیتی بدیں روشنیِ روشناس در نظر تیرہ و تار شد۔ بالبے از سخن دوختہ، و چشمے از خویش فروبستہ جہاں جہاں شکستگی؛ و عالم عالم خستگی با خود گرفتم؛ و از بیدادِ روزگار نالاں، و سینہ بردمِ تیغ مالاں بکلکتہ رسیدم"

غرضکہ مرزا کی عمر کچھ کم چالیس برس کی تھی جبکہ وہ لکھنؤ ہوتے ہوئے کلکتے پہنچے۔ کلکتے میں لوگوں نے اُنکی بہت خاطر و مدارات کی اور اُن کو کامیابی کی امید دلائی۔ اسٹرلنگ صاحب سکرٹری گورنمنٹ ہند نے جنکی مدح میں مرزا کا فارسی قصیدہ اُنکے کلیات میں موجود ہے؛ وعدہ کیا کہ تمہارا حق ضرور تمکو ملے گا۔ کول برک صاحب جو اُس وقت دلی میں رزیڈنٹ تھے اُنھوں نے دلی ہی میں مرزا سے عمدہ رپورٹ کرنے کا اقرار کر لیا تھا۔ اِن امیدوں کے دھوکے میں وہ پورے دو برس کلکتے میں رہے؛ مگر آخر کار نتیجہ ناکامی کے سوا کچھ نہوا۔ گورنر نے سرجان میلکم